بِسْمِ

نور انٹر نیشنل

فروری ۲۰۲۰ء

جمادی الثانی/رجب ۱۴۴۱

عالمگیر مرکز احمدیہ انجمن اشاعت اسلام کا ترجمان۔

ہمارے عقاید

حضرت محمد مصطفیٰ (ﷺ) کے بعد کوئی نبی نہیں آئے گا، نہ نیا نہ پُرانا

قرآن کی کسی آیت کی نہ تلاوت منسوخ ہے اور نہ حکم

حضرت مرزا غلام احمدؒ وہ مجدد تھے، جن کی پیشگوئی نبی کریمؐ نے مسیح و مہدی کے القاب سے کی۔

مدیران

شاہد عزیز

مسز سمیرا احمد

ارشد علوی

فہرست مضامین

۱: کلامِ امام۔ ۲

۲: حضرت مرزا غلام احمد کی کہانی - اُن کی زبانی ۴

۳: رسول اللہ کا اسوہ حسنہ - ہمارے لئے مشعل راہ از ڈاکٹر زاہد عزیز ۶

۴: اسلام از حضرت مولانا محمد علیؒ ۹

حضرت مسیح موعود نے فرمایا

- مردم شماری کے فارم میں لکھو ٔمسلمان فرقہ احمدیہ'۔
- ' مجھے چھوڑ کر تم کون سا اسلام پیش کرو گے۔''
- غیر از جماعت امام اگر کلمہ گو کو کافر کہنے والے کے کافر ہونے کا اعلان کرے تو اُس کے پیچھے نماز ادا کرو۔
- احمدی کے لئے لازمی ہے کہ ہر ماہ چندہ دے۔ جو شخص تین ماہ تک چندہ نہیں دیتا وہ جماعت سے خارج ہے۔
- ہر احمدی کے لئے اپنی وصیت میں جماعت کے لئے ایک حصہ چھوڑنا لازمی ہے۔

نشریات

وقت بمطابق برطانوی ٹائم

http://mixlr.com/radio-virtual-mosque

www.virtualmosque.co.uk

پروگرام و اوقات

جمعہ - انگریزی 13:00

ماہانہ اجلاس - انگریزی - ہر ماہ پہلی اتوار 15:00

عیدین - انگریزی 11:00

پنجاب ریڈیو

عیدین - پنجابی 13:00

سکائپ

تقاریر اور تبادلہ خیالات - ہر اتوار 09:00

سکائپ آئی ڈی

Lahori-Ahmadi

عالمگیر احمدیہ انجمن اشاعت اسلام لاہور

رابطہ کے لئے ای میل۔

editor.TheLight@aaiil.uk

وقت تھا، وقتِ مسیحا نہ کسی اور کا وقت
میں نہ آتا تو کوئی اور ہی آیا ہوتا۔

کلامِ امامؑ
اسلامی اصول کی فلاسفی۔ ۳

از حضرت مرزا
غلام احمدؒ

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ۔

نَحۡمَدُہٗ وَنُصَلِّی عَلٰی رَسُوۡلِہِ الۡکَرِیۡمِ

اِسلام

دعویٰ اور دلیل الہامی کتاب سے ہونا چاہیئے

آج اِس جلسہ مبارک میں جس کی غرض یہ ہے کہ ہر ایک صاحب جو بُلائے گئے ہیں سوالات مشتہرہ کی پابندی سے اپنے اپنے مذہب کی خوبیاں بیان فرماویں۔ مَیں اِسلام کی خُوبیاں بیان کروں گا۔ اور اِس سے پہلے کہ مَیں اپنے مطلب کو شروع کروں اِس قدر ظاہر کر دینا مناسب سمجھتا ہوں کہ میں نے اِس بات کا التزام کیا ہے کہ جو کچھ بیان کروں، خُدائے تعالیٰ کے پاک کلام قرآنِ شریف سے بیان کروں۔ کیونکہ میرے نزدیک یہ بہت ضروری ہے کہ ہر ایک شخص جو کسی کتاب کا پابند ہو اور اُس کتاب کو ربّانی کتاب سمجھتا ہو وہ ہر ایک بات میں اُسی کتاب کے حوالہ سے جواب دے اور اپنی وکالت کے اختیارات کو ایسا وسیع نہ کرے کہ گویا وہ ایک نئی کتاب بنا رہا ہے۔ سو چونکہ آج ہمیں قرآن شریف کی خوبیوں کو ثابت کرنا ہے اور اُس کے کمالات کو دکھلانا ہے۔ اِس لئے مناسب ہے کہ ہم کسی بات میں اُس کے اپنے بیان سے باہر نہ جائیں اور اُسی کے اشارہ یا تصریح کے موافق اور اُسی کی آیات کے حوالہ سے ہر ایک مقصد کو تحریر کریں۔ تا ناظرین کو موازنہ اور مقابلہ کرنے کے لئے آسانی ہو۔ اور چونکہ ہر ایک صاحب جو پابندِ کتاب ہیں اپنی اپنی الہامی کتاب کے بیان کے پابند رہیں گے۔ اور اسی

حضرت مرزا غلام احمد صاحبؒ
اور
عالمگیر جماعت احمدیہ لاہور کے عقائد

۱. اللہ تعالیٰ کی توحید اور حضرت محمد ﷺ کی رسالت پر ایمان

۲. آنحضرت ﷺ خاتم النبیّین ہیں۔ بالفاظ بانی سلسلہ احمدیہ :- "اِس بات پر محکم ایمان رکھتا ہوں کہ ہمارے نبی ﷺ کے بعد کوئی نہیں آئے گا نیا ہو یا پُرانا"، "جو شخص ختم نبوت کا منکر ہو اُسے بے دین اور دائرہ اسلام سے خارج سمجھتا ہوں"۔ "میرا یقین ہے کہ وحی رسالت حضرت آدم صفی اللہ سے شروع ہوئی اور جناب رسول اللہ ﷺ پر ختم ہو گئی۔"

۳. قرآن اللہ تعالیٰ کی آخری اور کامل کتاب ہے جس کا کوئی حکم منسوخ نہیں، نہ قیامت تک منسوخ ہو گا۔

۴. بمُطابق فرمانِ نبوی حضرت محمدؐ کے بعد مجدّدین آئیں گے۔ اِس اُمّت میں ایسے لوگ ہوں گے جو نبی نہ ہوں گے مگر اللہ تعالیٰ اُن سے کلام کرے گا۔ رجال یکلمون من غیر ان یکونو انبیاء

۵. ہم تمام صحابہ کرامؓ اور تمام آئمہ دین کی عزت کرتے ہیں خواہ وہ اہلسنّت کے مُسلّمہ بزرگ ہوں یا اہلِ تشیع کے اور کسی صحابی یا امام، محدث یا مجدّد کی تحقیر کو نفرت کی نگاہ سے دیکھتے ہیں۔

۶. ہر ایک شخص جو لَاۤ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ مُحَمَّدٌ رَّسُوۡلُ اللّٰہِ کا اقرار کرتا ہے اصولاً مسلمان ہے، خواہ اُس کا تعلق کسی بھی فرقہ سے ہو۔

۷. حضرت مرزا غلام احمد صاحب قادیانی کا دعویٰ مجدّد، مسیح موعود اور مہدی ہونے کا تھا۔ نبی ہونے کا ہرگز نہیں۔ اُن کے اپنے الفاظ میں: "اور اِن لوگوں نے مجھ پر افتراء کیا ہے جو یہ کہتے ہیں کہ یہ شخص نبی ہونے کا دعویٰ کرتا ہے۔"

ہمیں کسی دُنیاوی پارلیمنٹ سے مسلمان ہونے کا سرٹیفکیٹ نہیں چاہیئے۔ اللہ تعالیٰ کے حضور ہم مسلمان ہوں یہ کافی ہے۔

کتاب کے اقوال پیش کریں گے اسلئے ہم نے اُس جگہ احادیث کے بیان کو چھوڑ دیا ہے۔ کیونکہ تمام صحیح حدیثیں قرآن شریف سے ہی لی گئی ہیں۔ اور وہ کامل کتاب ہے جس پر تمام کتابوں کا خاتمہ ہے۔ غرض آج قرآن شریف کی شان ظاہر ہونے کا دن ہے۔ اور ہم خُدا سے دُعا مانگتے ہیں کہ وہ اِس کام میں ہمارا مددگار ہو۔ آمین

پہلا سوال

اِنسان کی جسمانی۔ اِخلاقی اور رُوحانی حالتیں

معزز ناظرین کو خیال رہے کہ اس مضمون کے ابتدائی صفحوں میں بعض تمہیدی عبارتیں ہیں جو بظاہر غیر متعلق معلوم دیتی ہیں۔ مگر اصل جوابات کے سمجھنے کیلئے پہلے اُن کا سمجھنا نہایت ضروری ہے اِس لئے صفائی بیان کے لئے قبل از شروع مطلب اُن عبارتوں کو لکھا گیا کہ تا اصل مطلب سمجھنے میں دِقّت نہ ہو۔

اقسام وحالاتِ ثلاثہ انسانی

اب واضح ہو کہ پہلا سوال انسان کی طبعی اوراخلاقی اوررُوحانی حالتوں کے بارے میں ہے۔ سو جاننا چاہئے کہ خُدائے تعالیٰ کے پاک کلام قرآن شریف نے اِن تین حالتوں کی اس طرح پر تقسیم کی ہے کہ ان تینوں کے لئے علیحدہ علیحدہ تین مبُداء ٹھہرائے ہیں یا یُوں کہو کہ تین سرچشمے قرار دیئے ہیں جن میں سے جُدا جُدا یہ حالتیں نکلتی ہیں۔

پہلی حالت۔ نفسِ امّارہ

چُنانچہ پہلا سرچشمہ جو تمام طبعی حالتوں کا مورِدْ اور مصدر ہے اس کا نام قرآن شریف نے نفسِ امّارہ رکھا ہے جیسا کہ وہ فرماتا ہے۔ اِنَّ النَّفۡسَ لَاَمَّارَۃٌ بِالسُّوۡٓءِ (یوسف:۵۳) یعنی نفس امّارہ میں یہ خاصیّت ہے کہ وہ انسان کو بدی کی طرف جو اُس کے کمال کے مخالف اور اُس کی اخلاقی حالتوں کے برعکس ہے۔ جھکاتا ہے اور ناپسندیدہ اور بدراہوں پر چلانا چاہتا ہے۔ غرض بے اعتدالیوں اور بدیوں کی طرف جانا اِنسان کی ایک حالت ہے جو اِخلاقی حالت سے پہلے اُس پر طبعاً غالب ہوتی ہے۔ اور یہ حالت اُس وقت تک طبعی حالت کہلاتی ہے جب تک کہ انسان عقل اور معرفت کے زیر سایہ نہیں چلتا بلکہ چارپایوں کی طرح کھانے پینے، سونے جاگنے یاغُصّہ اور جوش دِکھلانے وغیرہ امور میں طبعی جذبات کا پیرو رہتا ہے۔ اور جب انسان عقل اور معرفت کے مشورہ سے طبعی حالتوں میں تصرف کرتا اوراعتدال مطلوب کی رعایت رکھتا ہے۔ اُس وقت ان تینوں حالتوں کا نام طبعی حالتیں نہیں رہتا بلکہ اُس وقت یہ حالتیں اخلاقی حالتیں کہلاتی ہیں۔ جیسا کہ آگے بھی کچھ ذکر اِس کا آئے گا۔

دُوسری حالت نفسِ لوّامہ

اوراخلاقی حالتوں کے دُوسرے سرچشمہ کا نام قرآن شریف میں نفسِ لوّامہ ہے جیسا کہ وہ قرآن شریف میں فرماتا ہے۔ وَ لَاۤ اُقۡسِمُ بِالنَّفۡسِ اللَّوَّامَۃِ (القیمۃ:۳) یعنی میں اُس نفس کی قسم کھاتا ہوں جو بدی کے کام اور ہر ایک بے اعتدالی پر اپنے تئیں ملامت کرتا ہے۔ یہ نفسِ لوّامہ انسانی حالتوں کا دُوسرا سرچشمہ ہے جس سے اخلاقی حالتیں پیدا ہوتی ہیں اوراُس مرتبہ پر انسان دوسرے حیوانات کی مشابہت سے نجات پاتا ہے اور اِس جگہ نفسِ لوّامہ کی قسم کھانا اِس کو عزت دینے کے لئے ہے۔ گویا وہ نفسِ امّارہ سے نفسِ لوّامہ بن کر بوجہ اُس ترقی کے جناب الٰہی میں عزّت پانے کے لائق ہو گیا۔ اور اُس کا نام لوّامہ اِس لئے رکھا کہ وہ انسان کو بدی پر ملامت کرتا ہے اور اِس بات پر راضی نہیں ہوتا کہ انسان اپنے طبعی لوازم میں شُتر بے مہار کی طرح چلے اور چارپایوں کی طرح زندگی بسر کرے، بلکہ یہ چاہتا ہے کہ اِس سے اچھی حالتیں اوراچھے اخلاق صادر ہوں اور انسانی زندگی کے تمام لوازم میں کوئی بے اعتدالی ظہور میں نہ آوے۔ اور طبعی جذبات اور طبعی خواہشیں عقل کے مشورہ سے ظہور پذیر ہوں۔ پس چُونکہ وہ بُری حرکت پر ملامت کرتا ہے اِس لئے اِس کا نام نفسِ لوّامہ ہے۔ یعنی بہت ملامت کرنے والا۔ اور نفسِ لوّامہ اگرچہ طبعی جذبات پسند نہیں کرتا بلکہ اپنے تئیں ملامت کرتا رہتا ہے۔ لیکن نیکیوں کے بجالانے پر پُورے طور سے قادر بھی نہیں ہو سکتا اور کبھی نہ کبھی طبعی جذبات اس پر غلبہ کر جاتے ہیں۔ تب گِر جاتا ہے اور ٹھوکر کھاتا ہے گویا وہ ایک کمزور بچّہ کی طرح ہوتا ہے جو گِرنا نہیں چاہتا ہے مگر کمزوری کی وجہ سے گِرتا ہے۔ پھر اپنی کمزوری پر نادم ہوتا ہے۔ غرض یہ نفس کی وہ اخلاقی حالت ہے جب نفس اخلاقِ فاضلہ کو اپنے اندر جمع کرتا ہے اور سرکشی سے بیزار ہوتا ہے۔ مگر پُورے طور پر غالب نہیں آسکتا۔

تیسری حالت نفسِ مطمئنّہ

پھر ایک تیسرا سرچشمہ ہے جس کو رُوحانی حالتوں کا مبدء کہنا چاہئے۔ اس سر چشمہ کا نام قرآن شریف نے نفسِ مطمئنّہ رکھا ہے۔ جیسے کہ وہ فرماتا ہے۔ يٰٓاَيَّتُهَا النَّفْسُ الْمُطْمَئِنَّةُ۔ ارْجِعِيْٓ اِلٰى رَبِّكِ رَاضِيَةً مَّرْضِيَّةً فَادْخُلِيْ فِيْ عِبٰدِيْ وَادْخُلِيْ جَنَّتِيْ (الفجر: ۲۷ تا ۳۰) یعنی اے نفسِ آرام یافتہ جو خُدا سے آرام پا گیا۔ اپنے خُدا کی طرف واپس چلا آ۔ تُو اُس سے راضی اور وہ تُجھ سے راضی۔ پس میرے بندوں میں مل جا اور میرے بہشت کے اندر آجا۔ یہ وہ مرتبہ ہے جس میں نفس تمام کمزوریوں سے نجات پا کر رُوحانی قُوتوں سے بھر جاتا ہے۔ اور خُدائے تعالیٰ سے ایسا پیوند کر لیتا ہے کہ بغیر اُس کے جی بھی نہیں سکتا۔ اور جس طرح پانی اُوپر سے نیچے کی طرف بہتا اور بسَبب اپنی کثرت اور نیز روکوں کے دُور ہونے سے بڑے زور سے چلتا ہے۔ اِسی طرح وہ خُدا کی طرف بہتا چلا جاتا ہے۔ اُسی کی طرف اشارہ ہے۔ جو اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ کہ اے وہ نفس جو خُدا سے آرام پا گیا اس کی طرف واپس چلا آ۔ پس وہ اِسی زندگی میں نہ موت کے بعد ایک عظیم الشّان تبدیلی پیدا کرتا ہے اور اِسی دنیا میں نہ دُوسری جگہ ایک بہشت اُس کو ملتا ہے اور جیسا کہ اِس آیت میں لکھا ہے کہ تُو اپنے ربّ کی طرف یعنی پرورش کرنے والے کی طرف واپس آ۔ ایسا ہی اُس وقت یہ خُدا سے پرورش پاتا ہے اور خُدا کی محبت اُس کی غذا ہوتی ہے۔ اور اُسی زندگی بخش چشمہ سے پانی پیتا ہے۔ اِس لئے موت سے نجات پاتا ہے۔ (جاری ہے)

(فہرست مضامین)

حضرت مرزا غلام احمدؒ کی کہانی اُن کی زبانی

ابتدائیہ

امامِ ربّانی حضرت مرزا غلام احمد صاحب قادیانیؒ کا خدا ناترس عُلماءِ ظواہر سے خطاب (رُوحانی خزائن جلد ۲۰۔ ص ۲۵۸ تا ۲۸۰ سے اقتباس)

میں نہایت افسوس اور دردِ دل سے یہ بات کہتا ہوں کہ قوم نے میری مخالفت میں نہ صرف جلدی کی بلکہ بہت ہی بے دردی بھی کی۔ صرف ایک ہی مسئلہ وفاتِ مسیح کا اختلاف تھا۔ جسکو میں قرآن کریم اور آنحضرت صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کی سنّت اور صحابہ کے اجماع اور عقلی دلائل اور کتبِ سابقہ سے ثابت کرتا تھا اور کرتا ہوں۔ اور حنفی مذہب کے موافق نصّ۔ حدیث۔ قیاس۔ دلائلِ شرعیّہ میرے ساتھ تھیں۔ مگر ان لوگوں نے قبل اسکے کہ وہ پورے طور پر مجھ سے پوچھ لیتے اور میرے دلائل کو سُن لیتے۔ اس مسئلہ کی مخالفت میں یہاں تک غلو کیا کہ مجھے کافر ٹھہرایا گیا۔ اور اس کی ساتھ اور بھی جو چاہا کہا، اور میرے ذمّہ لگایا۔ دیانت، نیکوکاری اور تقویٰ کا تقاضا یہ تھا کہ پہلے مجھ سے پوچھ لیتے۔ اگر میں قال اللہ اور قال الرسولؐ سے تجاوز کرتا تو پھر بیشک انہیں اختیار اور حق تھا کہ وہ مجھے جو چاہتے کہتے دجّال، کذّاب وغیرہ۔ لیکن جب کہ میں ابتداء سے بیان کرتا چلا آیا ہوں کہ میں قرآن کریم اور آنحضرت صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کی پیروی سے ذرا اِدھر اُدھر ہونا بے ایمانی سمجھتا ہوں۔ میرا عقیدہ یہی ہے کہ جو اس کو ذرا بھی چھوڑے گا وہ جہنمّی ہے۔ پھر اس عقیدہ کو نہ صرف تقریروں میں بلکہ ساٹھ کے قریب اپنی تصنیفات میں بڑی وضاحت سے بیان کیا ہے۔ اور دن رات مجھے یہی فکر اور خیال رہتا ہے۔

پھر اگر یہ مخالف خدا سے ڈرتے تو

کیا ان کا فرض نہ تھا کہ فلاں بات خارج از اسلام ہے۔ اس کی کیا وجہ ہے؟ یا اس کا تم کیا جواب دیتے ہو۔ مگر نہیں، اس کی ذرا بھی پروا نہیں کی۔ سُنا اور کافر کہہ دیا۔ میں نہایت تعجّب سے ان کی اس حرکت کو دیکھتا ہوں۔ کیونکہ اوّل تو

وفات مسیح کا مسئلہ

کوئی ایسا مسئلہ نہیں جو اسلام میں داخل ہونے کے لیے شرط ہو۔ یہاں بھی ہندو یا عیسائی مسلمان ہوتے ہیں۔

مگر بتاؤ

کہ کیا اس سے یہ اقرار بھی لیتے ہو؟ بجز اس کے کہ اٰمَنتُ بِاللّٰہِ وَ مَلٰٓئِکَتِہٖ وَ کُتُبِہٖ وَ رُسُلِہٖ وَالقَدرِ خَیرِہٖ وَ شَرِّہٖ مِنَ اللّٰہِ تَعَالٰی وَالبَعثِ بَعدَ المَوتِ۔ جبکہ یہ مسئلہ اسلام کی جزو نہیں۔ تو پھر بھی مجھ پر وفاتِ مسیح کے اعلان سے اس قدر تشدّد کیوں کیا گیا۔ کہ یہ کافر ہیں، دجّال ہیں ان کو مسلمان کے

قبرستان میں دفن نہ کیا جائے۔ ان کے مال لوٹ لینے جائز ہیں۔ اور ان کی عورتوں کو بغیر نکاح گھر میں رکھ لینا درست ہے۔ ان کو قتل کر دینا ثواب کا کام ہے۔ وغیرہ وغیرہ۔

ایک تو وہ زمانہ تھا کہ

یہی مولوی شور مچاتے تھے کہ اگر ۹۹ وجوہ کفر کے ہوں اور ایک وجہ اسلام کی ہو تب بھی کفر کا فتویٰ نہ دینا چاہیئے۔ اس کو مسلمان ہی کہو۔ مگر اب کیا ہوگیا؟ کیا میں اس سے بھی گیا گذرا ہو گیا؟

کیا میں اور میری جماعت

اَشہَدُاَن لَا اِلٰہَ اِلَّااللّٰہُ وَ اَشہَدُ اَنَّ مُحَمَّدًاعَبدَہٗ وَ رَسُولَہٗ نہیں پڑھتی؟ کیا میں نمازیں نہیں پڑھتا؟ یا میرے مُرید نہیں پڑھتے؟ کیا ہم رمضان کے روزے نہیں رکھتے؟ اور کیا ہم ان تمام عقائد کے پابند نہیں جو آنحضرت ﷺ نے اسلام کی صورت میں تلقین کئے ہیں؟

میں سچ کہتا ہوں اور خدا تعالیٰ کی قسم کھا کر کہتا ہوں

کہ میں اور میری جماعت مسلمان ہے۔ اور وہ آنحضرت ﷺ اور قرآن کریم پر اسی طرح ایمان لاتی ہے۔ جس طرح ہر ایک سچّے مسلمان کو لانا چاہیئے۔ میں ایک ذرّہ بھی اسلام سے باہر قدم رکھنا ہلاکت کا موجب یقین کرتا ہوں۔ اور میرا مذہب یہی ہے کہ جس قدر فیوض اور برکات کوئی شخص حاصل کر سکتا ہے۔ اور جس قدر تقریب الی اللہ پا سکتا ہے۔ وہ صرف اور صرف آنحضرت ﷺ کی سچی اطاعت اور کامل محبّت سے پا سکتا ہے۔ ورنہ نہیں۔ آپؐ کے سوا اب کوئی راہ نیکی کی نہیں۔۔۔۔۔

اس بات کو بھی دل سے سُنو

کہ میرے مبعوث ہونے کی علّتِ غائی کیا ہے؟ میرے آنے کی غرض اور مقصود صرف اسلام کی تجدید اور تائید ہے۔ اس سے یہ نہیں سمجھنا چاہیئے کہ میں اس لئے آیا ہوں کہ کوئی نئی شریعت سکھاؤں۔ یا نئے احکام دُوں یا کوئی نئی کتاب نازل ہوگی۔ ہر گز نہیں۔ اگر کوئی شخص یہ خیال کرتا ہے تو وہ میرے نزدیک سخت گمراہ اور بے دین ہے۔ آنحضرت ﷺ پر نبوت اور شریعت کا خاتمہ ہو چکا ہے۔ اب کوئی شریعت نہیں آ سکتی۔ قرآن مجید خاتم الکتب ہے۔ اس میں اب ایک شوشہ یا نقطہ کی کمی بیشی کی گنجائش نہیں ہے۔

ہاں یہ سچ ہے

کہ آنحضرت ﷺ کے برکات اور فیوضات اور قرآن شریف کی تعلیم و ہدایت کے ثمرات کا خاتمہ نہیں ہو گیا۔ وہ ہر زمانہ میں تازہ بتازہ موجود ہیں۔ اور انہیں فیوضات اور برکات کے ثبوت کیلئے خدا نے مجھے کھڑا کیا ہے۔۔۔۔۔

مجھے اس بات کا افسوس نہیں کہ

میرا نام دجّال اور کذّاب رکھا جاتا ہے۔ اور مجھ پر تہمتیں لگائی جاتی ہیں۔ اس لئے کہ یہ ضرور تھا، کہ میرے ساتھ وہی سلوک ہوتا جو مجھ سے پہلے فرستادوں کے ساتھ ہوا۔ تا میں بھی ایک قدیم سُنّت سے حصّہ پاتا۔ میں نے تو ان مصائب اور شدائد کا کچھ بھی حصّہ نہیں پایا۔ لیکن جو مصیبتیں اور مشکلات ہمارے سیّد و مولیٰ آنحضرت ﷺ کی راہ میں آئیں۔ اسکی نظیر انبیاء علیہم السلام کے سلسلہ میں کسی کیلئے نہیں پائی جاتی۔ آپؐ نے اسلام کی خاطر وہ دکھ اٹھائے کہ قلم ان کے لکھنے اور زبان ان کے بیان سے عاجز ہے۔ اور اسی سے معلوم ہوتا ہے کہ آپؐ کیسے جلیل الشان اور اولوالعزم نبی تھے۔ (لیکچر لدھیانہ۔ ۴ نومبر ۱۹۰۵ جو ہزاروں آدمیوں کی موجودگی میں کھلے عام دیا گیا۔)

نوٹ از خاکسار مرتب۔ کہا تو یہی جاتا ہے کہ حضرت مرزا صاحب نے نعوذباللہ سن ۱۹۰۱ء میں نبوت کا صریح اور قطعی دعویٰ کیا تھا۔ یہ سن ۱۹۰۵ء کے اواخر کا وہ مطبوعہ حلفیہ بیان ہے جو خود حضرت مرزا صاحب علیہ الرحمۃ نے ہزاروں کے مجمع میں بر سرِ عام دیا تھا۔ کیا اس کھلے اور واضح حلفیہ بیان کے بعد بھی حضرت مرزا صاحب کو مدعی نبوت قرار دیا جا سکتا ہے؟ اسی زمانہ کا ایک اور غیر مبہم اور واضح ترین تاریخی اعلان بھی ملاحظہ فرمائیں، جو قادیان کے تاریخی اخبار "الحکم" کی زینت بنا تھا:

"میں بڑے یقین اور دعویٰ سے کہتا ہوں کہ آنحضرت ﷺ پر کمالات نبوت ختم ہو گئے۔ وہ شخص جھوٹا اور مفتری ہے جو آپؐ کے خلاف کسی سلسلہ کو قائم کرتا ہے اور آپؐ کی نبوت سے الگ ہو کر کوئی صداقت پیش کرتا ہے۔ اور چشمہ نبوت کو چھوڑتا ہے۔ میں کھول کر کہتا ہوں کہ وہ شخص لعنتی ہے جو آنحضرت ﷺ کے سوا، آپؐ کے بعد، کسی اور کو نبی یقین کرتا ہے۔ اور آپؐ کی ختم نبوت کو توڑتا ہے۔"

(اخبار "الحکم"۔ قادیان۔ ۱۰ جون ۱۹۰۵ء۔ ص ۲) (فہرست مضامین)

رسول اکرم صلعم کی زندگی

دنیا کے لئے دوستی اور امن کا پیغام ہے

ڈاکٹر زاہد عزیز

رسول اکرمؐ کی تعلیمات اور مثالی زندگی دنیا کے لیے دوستی اور امن کا پیغام ہے۔ اُن مسائل کو صحیح طور پر سمجھنے کے لیے جن پر اس کتاب میں بحث کی گئی ہے، یہ ضروری ہے کہ محمد رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم کی زندگی اور ان کے مشن کے اہم پہلوؤں کی تفصیلات سے آگاہی حاصل کی جائے۔ اس لیے اس باب میں آپؐ کی زندگی کے حالات مختصراً بیان کیے جاتے ہیں۔

رسول اکرمؐ (۶۳۲ء-۵۷۱ء) ایسے لوگوں میں پیدا ہوئے جن کا کوئی مستقل مذہب نہ تھا۔ وہ مختلف قبیلوں میں بٹے ہوئے تھے جو اپنے اپنے بُتوں اور دیگر چیزوں کی عبادت کرتے تھے۔ گو وہ ظاہری طور پر ان بُتوں سے عظیم تر ہستی خُدا کو بھی مانتے تھے۔ علم اور تعلیم سے خال خال لوگ واقف تھے۔ گو قبائلی رسم ورواج اور قواعد تو موجود تھے مگر انصاف، حقوق اور قانون کے کسی باقاعدہ نظام کا اس سرزمین پر نام ونشان نہ تھا۔ طاقتور کے لیے سب کچھ روا تھا۔ زندگی کے تمام شعبوں میں اخلاقی اقدار کی حالت کافی خراب تھی۔ کمزور، غلام اور عورتوں کے استحصال کا دور دورہ تھا۔ عرب کی سرزمین کے شمال میں عظیم تہذیب وتمدّن کا یہاں کے لوگوں پر کوئی اثر نہ تھا۔

چند یہودی اور کچھ عیسائی قبیلے عرب میں رہ رہے تھے جن کو تہذیب وتمدن اور بلند اخلاق کا محض دعویٰ ہی دعویٰ تھا۔ رسول اکرمؐ کی بعثت کے وقت ان کی حالت انتہائی گر چکی تھی اور ان میں عربوں کی اصلاح کرنے کی سکت باقی نہ رہی تھی۔ رسول اکرمؐ مکّہ کے ممتاز قبیلہ قریش میں پیدا ہوئے۔ آپؐ کی چالیس سال تک کی زندگی میں زیادہ تر کوئی غیر معمولی واقعہ نہ ہوا اور آپؐ معمول کی زندگی گزارتے رہے۔ بہرحال اس حقیقت سے بھی انکار نہیں کیا جاسکتا کہ اس اثناء میں آپؐ کی شہرت ایک نہایت ایماندار، باصول، پُروقار اور قابل اعتماد اور کمزوروں کے حامی شخص کے طور پر ایک حقیقت بن کر اُبھری۔ آپؐ کو اپنے اردگرد معاشرے کی زبوں حالی پر بیحد دُکھ تھا۔ چنانچہ آپؐ نے اپنا زیادہ تر وقت تنہائی میں روحانی بلندی حاصل کرنے کی غرض سے مراقبہ کرنے، روزے رکھنے اور دُعا کرنے میں مکّہ سے چند میل کے فاصلے پر ایک غار میں گزارنا شروع کیا۔ آپؐ کی زندگی کا کیا مقصد ہے اور یہ کہ لوگوں کی اصلاح کس طرح کی جاسکتی ہے اس بارے میں گہرا غوروفکر شروع کیا۔ اس ذہنی اور باطنی ریاضت کی بدولت آپؐ کو سچی خوابیں آنے لگیں جو آپؐ کی روحانی تقویت کا ذریعہ بنیں۔ اور پھر اچانک اللہ کی جانب سے آپؐ پر پہلی وحی نازل ہوئی اور اس سے آپؐ کا ذہن منور ہوگیا اور آپؐ کو نبوت کے منصب پر فائز کر دیا گیا۔ یہ واقعہ ۶۰۹ء میں پیش آیا۔ آپؐ سے پیشتر دنیا کے عظیم مذاہب کے بانی خاص طور پر حضرت موسیٰؑ، حضرت عیسیٰؑ اور حضرت بدھؒ نے بھی شریعت، تعلیمات یا اللہ کی بصیرت حاصل کرنے کے لیے ایسی ہی ذہنی، جسمانی اور باطنی ریاضت کی راہ اختیار کی تھی۔

رسول اکرمؐ پر ۲۳ سال تک وحی کا نزول ہوتا رہا جب کہ آپؐ زندگی کے مختلف ادوار سے گزرتے رہے۔ آپؐ پر یہ حقیقت بطور وحی نازل ہوئی کہ اللہ کی ذات واحد ہے اور وہی ذات ہے جو ہمیشہ سے دنیا کی مختلف قوموں کی طرف رسول بھیجتی رہی ہے تاکہ وہ ان تک اس کی ہدایت پہنچاتے رہیں۔ اور اب اس نے رسول اکرمؐ کو بطور نبی اور رسول مبعوث کیا جس طرح دوسری قوموں کی طرف نبی مبعوث ہوتے رہے۔ ان کی بعثت کی غرض بھی انہی بنیادی تعلیمات کا پیش کرنا تھا جس کی تبلیغ پہلے انبیاء نے کی تھی۔ لیکن یہ تعلیمات زیادہ وسیع، آفاقی اور تمام انسانیت کے لیے تھیں۔ اسی لیے قرآن مجید کے شروع میں اللہ کی ذات کو ’’تمام عالم کے رَبّ‘‘ کے طور پر بیان کیا گیا ہے، اور اس کو محض ایک خاص قوم کے لیے مختص نہیں کیا گیا۔ تمام عالم کے رَبّ ہونے کی حیثیت میں اللہ تعالیٰ نے تمام قوموں کے لیے ہدایت نازل کی اور مسلمانوں کے لیے لازمی قرار دیا گیا کہ ایمان کے ایک اصول کے طور پر اس بات پر ایمان لائیں کہ اسی اللہ تعالیٰ نے پہلی قوموں کی طرف رسول بھیجے اور کُتب نازل کیں۔ ایک مسلمان ایماناً اس بات کو قبول کرتا ہے کہ حضرت ابراہیمؑ، حضرت موسیٰؑ، حضرت ہارونؑ، حضرت سلیمانؑ اور حضرت عیسیٰؑ اللہ تعالیٰ کے سچے پیغمبر تھے اور ان سب کا تعلق ایک ہی برادری سے تھا اور رسول اکرمؐ بھی اسی برادری کے ایک فرد تھے۔ جدید اسرائیلی ریاست کے متعلق مسلمانوں کے جو بھی جذبات ہوں لیکن اس کے باوجود وہ اس پاک ہستی یعنی حضرت یعقوبؑ کا برابر احترام اور عزت کرتے ہیں جن کی وجہ سے اس کا نام اسرائیلؑ رکھا گیا۔ مسلمان اس بات کو بھی تسلیم کرتے ہیں کہ حضرت داؤدؑ اور حضرت

سلیمانؑ اللہ کے نبی تھے اور وہ سلطنتوں کے بھی مالک ہوئے۔ اسی طرح ایک اور رنگ میں بھی رسول اکرمؐ نے آفاقی تعلیم دی کہ آپؐ نے اعلان کیا۔

كَانَ النَّاسُ أُمَّةً وَاحِدَةً۔(البقرة:۲۱۳)"تمام انسانیت ایک قوم ہے۔"(۲۱۳:۲)

اور اس لیے اللہ کے نزدیک تمام نسلیں، اقوام اور مذاہب برابر کا حق رکھتے ہیں اور ان سب سے یکساں انصاف کا سلوک کیا جائے۔

قرآنِ مجید اس بارے میں واضح طور پر بیان کرتا ہے:۔يَا أَيُّهَا النَّاسُ إِنَّا خَلَقْنَاكُم مِّن ذَكَرٍ وَأُنثَى وَجَعَلْنَاكُمْ شُعُوباً وَقَبَائِلَ لِتَعَارَفُوا إِنَّ أَكْرَمَكُمْ عِندَ اللَّهِ أَتْقَاكُمْ ۔(الحُجرات:۱۳)

"اے لوگو! ہم نے تمہیں مرد اور عورت سے پیدا کیا اور تمہاری شاخیں اور قبیلے بنائے تاکہ تم ایک دوسرے کو پہچانو۔ تم میں اللہ کے نزدیک سب سے اکرم وہ ہے جو سب سے زیادہ پرہیز گار ہے۔"(۱۳:۴۹)

کسی کی افضلیت کا معیار نسل، وراثت، رنگ، زبان یا کسی خاص مذہب سے وفاداری نہیں بلکہ انسانی وقار اور فرائض کی انجام دہی ہے۔ نجات کا معیار اس بات پر بھی نہیں ہے کہ آپ کا تعلق کسی منتخب قوم یا چند مذہبی عقائد کے رکھنے یا کسی مذہبی گروہ سے تعلق ہے۔ قرآنِ مجید یہودیوں اور عیسائیوں کے اس دعویٰ کے متعلق کہ جو محض موہوم خواہشوں "کا نام دے کر رَدّ کرتا ہے۔ اور وہ یہ بھی نہیں کہتا: "کہ صرف مسلمان ہی جنت میں داخل ہوں گے۔"

۔۔لَنْ يَّدْخُلَ الْجَنَّةَ اِلَّا مَنْ كَانَ هُوْدًا اَوْنَصٰرٰى ط تِلْكَ اَمَانِيُّهُمْ ۔(البقرة:۱۱۱)

"کوئی بھی یہودی یا عیسائی ہے جنت میں داخل ہوگا۔"(۱۱۱:۲)

اس کی بجائے قرآن مجید یہ کہتا ہے: بَلَى مَنْ أَسْلَمَ وَجْهَهُ لِلَّهِ وَهُوَ مُحْسِنٌ فَلَهُ أَجْرُهُ عِندَ رَبِّهِ۔۔۔(البقرة:۱۱۲)

"ہاں جس نے اپنے آپ کو اللہ تعالیٰ کا فرماں بردار بنایا اور وہ احسان کرنے والا ہے تو اس کا اجر اس کے رَبّ کے پاس ہے۔"(۱۱۲:۲)

اس کا واضح مطلب یہ ہے کہ جو شخص جس حد تک ممکن ہو اپنے فرائض انجام دے، وہی اس کی نجات کا ذریعہ ہوگا۔ قرآن مجید ایک دوسری جگہ یہ فرماتا ہے:

۔۔۔۔۔ لِكُلٍّ جَعَلْنَا مِنكُمْ شِرْعَةً وَمِنْهَاجاً وَلَوْ شَاء اللّهُ لَجَعَلَكُمْ أُمَّةً وَاحِدَةً وَلَـكِن لِّيَبْلُوَكُمْ فِي مَا آتَاكُم فَاسْتَبِقُوا الخَيْرَاتِ إِلَى الله مَرْجِعُكُمْ جَمِيعاً فَيُنَبِّئُكُم بِمَا كُنتُمْ فِيهِ تَخْتَلِفُونَ۔(المائيده :۴۸)

"ہم نے تم میں سے ہر ایک کے لیے ایک شریعت اور طریق مقرر کیا ہے اور اگر اللہ تعالیٰ چاہتا تو تم کو ایک ہی گروہ بنا دیتا۔ لیکن (وہ چاہتا ہے) کہ جو کچھ تم کو دیا ہے اس میں تمہارے جوہر پرکھے۔ سو نیکیوں کو آگے بڑھ کر لو۔ تم سب کو اللہ تعالیٰ کی طرف ہی لوٹ کر جانا ہے پس جن باتوں میں تم اختلاف کرتے تھے وہ تمہیں بتا دے گا۔"(۴۸:۵)

تمام مذاہب کے لوگوں کو اختلافات پر لڑنے کی بجائے نیکی کے کاموں میں ایک دوسرے سے سبقت لے جانے کی کوشش کرنی چاہیے۔ اللہ تعالیٰ کی وحی نے اس بات کی تعلیم دی ہے کہ ہر ایک بات کا فیصلہ سچ اور جھوٹ کے اصولوں پر ہونا چاہیے۔ نہ اس بات پر کہ کون تمہارا ہم مذہب ہے اور یہ کہ دوسروں کے خلاف ناانصافی سے کام لیا جائے۔ اس بارے میں قرآن مجید مسلمانوں کو ذیل کے الفاظ میں نصیحت کرتا ہے:

تَعَاوَنُواْ عَلَى الْبرِّ وَالتَّقْوَى وَلاَ تَعَاوَنُواْ عَلَى الإِثْمِ وَالْعُدْوَان۔(المائيده :2)

"نیکی اور تقویٰ پر ایک دوسرے کی مدد کرو اور گناہ اور زیادتی پر ایک دوسرے کی مدد نہ کرو۔"(۲:۵)

اس لیے مسلمانوں کو ایک دوسرے کے ساتھ مل کر نیکی کے کام کرنے چاہیے اور غلط اور بے انصافی کے کاموں میں ساتھ نہیں دینا چاہیے۔ یہ آیت اس نیکی کے اصول کی طرف بھی اشارہ کرتی ہے کہ ہم اپنے ہم مذہب لوگوں کو غلط کام کرنے سے روکیں اور ان کی اصلاح کی کوشش کریں۔ مسلمانوں کو یہ بھی ہدایت کی گئی ہے کہ وہ سچے لوگوں کا ساتھ دیں اور ان لوگوں کی پاسداری نہ کریں جو مذہب کی ہدایت کے خلاف بے ایمانی کے کام کریں۔ قرآنِ مجید کا فرمان ہے:

۔۔ كُونُواْ مَعَ الصَّادِقِيْنَ۔(التوبة:۱۱۹)"اور سچوں کے ساتھ ہو جاؤ۔"(۱۱۹:۹)

...وَلاَ تَكُن لِّلْخَآئِنِيْنَ خَصِيْماً۔(النساء:۴)"اور دغابازوں کی طرف سے جھگڑنے والا نہ بننا۔"

رسول اکرمؐ نے بعثت کی غرض کو پورا کرنے کے لیے تبلیغ کا آغاز مکّہ اور اس کے ارد گرد کے لوگوں سے کیا۔ چند لوگوں نے اس کو قبول کیا۔ اسی وقت سے خود انہی کے قبیلے کے لوگوں نے آپؐ کی مخالفت شروع کر دی۔ چنانچہ آپؐ کی اور آپؐ کے پیروؤں پر ظلم وستم کا آغاز بھی اسی وقت سے ہو گیا تھا۔ اس ظلم وستم میں دن بدن شدت آتی گئی۔ مسلمانوں کو نہ صرف جسمانی اذیتیں دی جانے لگیں بلکہ ان کا بہیمانہ قتل کیا جانے لگا۔ بعض جگہوں پر رسول اکرمؐ پر حملہ کیا گیا اور آپؐ پر پتھراؤ کیا گیا۔ مکّہ میں رسول اکرمؐ کے مشن کی صورتِ حال حضرت عیسیٰؑ کے مشن کی طرح تھی یعنی آپؐ نے اپنی تبلیغ کا کام اس طور پر جاری رکھا کہ آپؐ کو انتہائی ظلم وستم کے حالات کا سامنا رہا۔ حتیٰ کہ آپؐ کے کچھ صحابہؓ کو حبشہ، مشرقی افریقہ میں پناہ لینا پڑی۔

بعد میں مدینہ کے لوگوں نے اسلام قبول کرنا شروع کیا۔ یہ شہر مکہ کے شمال میں تقریباً ۲۰۰ میل کے فاصلہ پر تھا۔ چنانچہ مکّہ کے مظلوم مسلمانوں نے مدینہ کی طرف ہجرت کرنا شروع کی۔ رسول اکرمؐ اپنے دو نہایت قریبی ساتھی حضرت ابو بکر صدیقؓ اور حضرت علیؓ کے ساتھ مکّہ میں ٹھہرے رہے یہاں تک کے مکّہ کے تمام مسلمان جو جاسکتے تھے ہجرت کر کے مدینہ چلے گئے۔ جب آپؐ کے مخالفین نے رسول اکرمؐ کو آپؐ کے گھر میں ہی قتل کرنے کے منصوبے کو حتمی شکل دے دی۔ تب وہ خُدا کے حکم پر اپنے عزیز ترین ساتھی حضرت ابو بکرؓ کے ساتھ مکّہ سے چھپ کر نکلنے میں کامیاب ہو گئے اور مکّہ سے باہر چند میل کے فاصلہ پر غارِ ثور میں پناہ لی، جب کہ آپؐ کے دشمن ان کا پیچھا کر رہے تھے۔ یہ اسلام پر سخت ترین اور انتہائی نازک وقت تھا۔ آپؐ کا پیچھا کرنے والے تلاش کرتے کرتے عین غار کے منہ پر پہنچ گئے۔ لیکن وہ لوگ اس وجہ سے وہاں سے واپس چلے گئے کہ غار کے منہ پر مکڑی نے جال بن رکھا تھا جس سے انہوں نے یہ سمجھا کہ اس کے ہوتے ہوئے کسی شخص کے اندر داخل ہونے کا کوئی امکان نہیں۔ رسول اکرمؐ کا اس طرح موت کے منہ سے بچ نکلنا ایک قسم کا دوبارہ زندہ ہونے کے مترادف تھا۔ اور آپؐ کی زندگی کا یہ واقعہ حضرت یونسؑ کے نشان کے مشابہ تھا جس کی پیشگوئی حضرت عیسیٰؑ نے کی تھی کہ "وہ زمین کے اندر تین دن تین رات رہے گا اور زندہ باہر آئے گا"۔ (متی ۱۲:۳۹، ۴۰)

مدینہ میں مسلمانوں کو اپنی بقا کی جنگ لڑنا پڑی

مکہ میں ۱۳ سال مشکل ترین حالات میں زندگی گزارنے کے بعد مدینہ میں ۶۲۲ء میں رسول اکرم صلعم کی زندگی کا بالکل مختلف دور کا آغاز ہوا۔ اب آپؐ نہ صرف ایک منظم جماعت بلکہ ایک شہری حکومت کے سربراہ تھے۔ یہاں دس سال کے مختصر عرصہ میں اسلامی تعلیم، ایمانیات اور عقائد سے بڑھ کر ایک ملی صورت میں ظہور پذیر ہوئی۔ اس عملی صورت کا تعلق دینی ارکان مثلاً نماز اور روزہ اور دیگر تمام زندگی کے دنیاوی معاملات مثلاً معاشرتی قوانین، جنگ اور امن اور ریاست کے نظام سے تھا۔ حضرت موسیٰؑ کی طرح رسول اکرم صلعم بھی صاحبِ شریعت نبی کی حیثیت اختیار کر گئے۔

اسی دور میں مسلمانوں کو پہلی مرتبہ اپنے دفاع کے لیے تلوار اُٹھانی پڑی۔ مکہ سے ان کے دشمن یوں تو رسول اکرم صلعم کے قبیلہ کے لوگ تھے، انھوں نے مدینہ پر حملہ کرنے کے لیے فوج تیار کی۔ اس وقت رسول اکرم صلعم پر لڑائی کرنے کی اجازت کے لیے وحی نازل ہوئی۔ لیکن وہ بھی صرف اپنی دفاع کے لیے ان لوگوں کے خلاف جنھوں نے ان پر حملہ کیا یا کرنے کا ارادہ رکھتے تھے۔ اور یہ بھی مذہبی آزادی کو قائم کرنے کے لیے لڑائی کی اجازت دی گئی۔ اس سلسلہ میں سب سے پہلی وحی یہ نازل ہوئی:

أُذِنَ لِلَّذِيْنَ يُقَاتَلُونَ بِأَنَّهُمْ ظُلِمُوا وَإِنَّ اللَّهَ عَلَى نَصْرِهِمْ لَقَدِيْرٌ ۔ الَّذِيْنَ أُخْرِجُوا مِن دِيَارِهِمْ بِغَيْرِ حَقٍّ إِلَّا أَن يَقُولُوا رَبُّنَا اللَّهُ وَلَوْلَا دَفْعُ اللَّهِ النَّاسَ بَعْضَهُم بِبَعْضٍ لَّهُدِّمَتْ صَوَامِعُ وَبِيَعٌ وَصَلَوَاتٌ وَمَسَاجِدُ يُذْكَرُ فِيْهَا اسْمُ اللَّهِ كَثِيْراً وَلَيَنصُرَنَّ اللَّهُ مَن يَنصُرُهُ إِنَّ اللَّهَ لَقَوِيٌّ عَزِيْزٌ ۔(الحج:۴۰،۳۹)

"ان لوگوں کو اجازت دی گئی جن سے لڑائی کی جاتی ہے۔ اس لیے کہ ان پر ظلم کیا گیا۔ اور یقیناً اللہ ان کی مدد پر قادر ہے۔ وہ جو اپنے گھروں سے ناحق نکالے گئے صرف اس بات پر کہ وہ کہتے تھے کہ ہمارا ربّ اللہ تعالیٰ ہے۔ اگر اللہ تعالیٰ لوگوں کو ایک دوسرے کے ذریعہ نہ ہٹاتا رہتا تو یقیناً راہبوں کی کوٹھریاں اور گرجے اور عبادتگاہیں اور مساجد جن میں اللہ تعالیٰ کا نام بہت لیا جاتا ہے گرا دی جاتیں"۔ (۳۹:۲۲، ۴۰)

پس مسلمان ہر ایک مذہب کے ماننے والوں کی جنگ لڑ رہا تھا تاکہ وہ بلا روک ٹوک اور آزادی سے اپنے مذہب پر عمل پیرا ہو سکیں۔

تینوں بڑی جنگوں میں سے ہر ایک مدینہ کے قریب لڑی گئی۔ آخری جنگ میں مدینہ کا محاصرہ کیا گیا اور ہر دفعہ مسلمان دشمنوں کے مقابلہ میں کافی کم تعداد میں تھے۔ اس سے صاف ظاہر ہے کہ مسلمان اپنی دفاع کے لیے جنگ لڑ رہے تھے۔ لیکن ہر دفعہ دشمن کو شکست ہوئی اور آخر کار انھوں نے ہتھیار ڈال دیے۔ حضرت داؤد علیہ السلام کی طرح رسول اکرم صلعم ذاتی طور پر جنگ میں شریک ہوتے۔ آخر کار ایک موقع پر صلح حدیبیہ ہوئی اور اس زمانہ میں اسلام عرب میں تیزی سے پھیلا۔ دو سال کے بعد جب اہل مکہ نے صلح کے معاہدہ کو توڑا تو رسول اکرم صلعم نے مکہ پر حملہ کر دیا اور دشمن کو ہتھیار ڈالنے کے علاوہ کوئی چارہ نہ رہا اور آپ صلعم نے مکہ کو جہاں سے ان کو نکالا گیا تھا بالآخر آٹھ سال کے بعد ایک قطرہ خون کا بہائے بغیر فتح کر لیا۔

جب آپؐ بطور فاتح مکہ میں داخل ہوئے تو انھوںؐ نے شہر کے چیدہ لوگوں کو مخاطب کیا جو ان کے سخت دشمن رہے تھے اور جنھوں نے آپؐ کو اور آپؐ کے ساتھیوں کو سخت اذیت اور ان پر حد درجہ ظلم روا رکھا تھا۔ آپؐ نے ان سے پوچھا:

”آپؐ مجھ سے کس قسم کے سلوک کی توقع رکھتے ہیں؟“ یہ جانتے ہوئے کہ آپؐ انتقام نہ لینے والے تھے بلکہ لوگوں کو معاف کرنے والے تھے، انھوں نے جواب میں کہا:

" آپؐ ایک نیک سیرت بھائی ہیں اور ایک نیک سیرت بھائی کے بیٹے ہیں۔"

تب آپؐ نے اعلان کیا۔" آج تم سب لوگوں پر کوئی ملامت نہیں۔ آپ لوگوں پر کوئی الزام نہ لگایا جائے گا۔ کوئی عدالت نہ لگائی جائے گی جس کے نتیجہ میں کوئی سزا دی جائے۔ آپ کو اس بات کی آزادی ہو گی کہ اسلام قبول کریں یا نہ کریں۔"

رسول اکرم صلعم کی تعلیمات نے لوگوں کو اخلاقی، روحانی اور ذہنی طور پر بلند کر دیا تھا اور تہذیب و تمدّن کے لحاظ سے انھوں نے اپنے زمانے کے تمام قوموں کی نسبت انتہائی ترقی کی۔ یہی وجہ تھی کہ آپ صلعم کی وفات کے بعد ایک صدی کے اندر اسلام اس زمانہ میں معلوم ممالک کے بڑے حصّہ میں پھیل گیا اور انھوں نے ایک عظیم تہذیب قائم کی جس میں علوم اور روشن خیالی نے مثالی ترقی حاصل کی۔ یہ تہذیب ایک ہزار سال تک ترقی کرتی رہی یہاں تک کہ موجودہ مغربی تہذیب نے اس کی جگہ لے لی۔

قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ رسول اکرم صلعم کے تاریخی کردار اور رہنمائی کو ذیل کے الفاظ میں یوں بیان کرتا ہے:

وَمَاأَرْسَلْنَاكَ إِلَّا رَحْمَةً لِّلْعَالَمِيْنَ :(الانبیا:۱۰۷)

”اور ہم نے تجھے تمام قوموں کے لیے رحمت ہی بنا کر بھیجا ہے۔“ (۱۰۷:۲۱)۔

رسول اکرم صلعم کا ذاتی کردار اور ان کی تعلیمات کے لیے مقدر ہے کہ وہ تمام اقوام، نسلوں، لوگوں اور مذاہب کے لیے رحمت ثابت ہوں گے۔ (فہرست مضامین)

اسلام

حضرت مولانا محمد علیؒ

اس مذہب کا نام اسلام ہے نہ کہ محمڈن ازم

مذہب اسلام پر بحث کرتے ہوئے سب سے پہلے یہ ضروری بات سمجھ لینا چاہیے کہ اس کا نام محمڈن ازم یا محمدی مذہب نہیں ہے جیسا کہ مغرب میں عام طور پر سمجھا جاتا ہے بلکہ اسلام ہے۔ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا نام نامی ہے جن پر اسلامی تعلیمات نازل ہو کر ہم تک پہنچیں۔

جس طرح عیسویت، بدھ ازم، کنفیوشش ازم وغیرہ وغیرہ مذاہب عالم ان کے بانیوں کے ناموں سے موسوم ہیں اسی طرح مغربی مصنفین نے اسلام کو حضرت محمد عربی صلی اللہ علیہ وسلم کے نام سے منسوب و موسوم کرتے ہوئے محمڈن ازم یا محمدی مذہب کا نام دیا ہے۔ حالانکہ نہ تو خود مسلمانوں نے کبھی یہ لفظ استعمال کیا اور نہ ہی قرآن وحدیث میں اس کی کوئی سند پائی جاتی ہے۔ قرآن مجید نے بہ صراحت اس کا نام اسلام اور اس کے پیروکاروں کا نام مسلم ارکھا ہے۔ بانی اسلام کے نام سے اس کو دور کا بھی واسطہ نہیں حتّٰی کہ خود بانیٔ اسلام صلی اللہ علیہ وسلم کو قرآن مجید میں مسلم کے نام سے پکارا گیا ہے۔ بیشک ہر نبی کو قرآن مجید میں مسلم ہی کہا گیا

ہے۔اس سے ظاہر ہے کہ تمام بنی نوع انسان کے لئے اسلام ہی ایک سچا مذہب ہے اور جتنے انبیاء اور رُسل مبعوث ہوتے رہے وہ سب کے سب مختلف قوموں اور مختلف زمانوں میں اسلام ہی کے مبلغ تھے اور ہمارے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سب سے آخری اور سب سے بڑے اور کامل ترین مبلّغ و معلّم اسلام تھے۔

ایک پُر حکمت نام

دنیا کے بڑے بڑے مذاہب میں اسلام کو یہ خصوصی امتیاز حاصل ہے کہ اس کا نام نہایت پُر حکمت اور پُر معنی ہے اور اس کے نام کے اندر ہی اس کی حقیقت اور اصل روح مضمر ہے۔اسلام کے لغوی معنی صلح کے اندر داخل ہونا ہیں۔اور مُسلِمُ ' وہ ہے جو خدا اور خدا کے بندوں سے صلح کرے۔خدا کے بندوں سے صلح کا مطلب یہ ہے کہ وہ نہ صرف ان سے بدی کرنے یا نقصان پہنچانے سے مجتنب رہے بلکہ ان سے نیکی کا برتاؤ بھی کرے۔اللہ سے صلح کا یہ مطلب ہے کہ انسان اس کی رضاء کی راہوں پر گامزن ہو اور اس کی منشاء اور احکام کی پوری پوری اطاعت کرے۔اور ان دونوں پہلوؤں کو خود قرآن مجید میں اسلام کی اصل حقیقت اور اس کی روح ظاہر کیا گیا ہے۔چنانچہ فرمایا:

۱۔ هُوَ سَمّٰكُمُ الْمُسْلِمِيْنَ مِنْ قَبْلُ وَفِيْ هٰذَا (الحج ۷۸:۲۲)"اس نے تمہارا نام پہلے سے اور اس (قرآن) میں بھی مسلم رکھا"۔اس میں مِنْ قَبْلُ کے الفاظ پیشگوئیوں کی طرف اشارہ کرتے ہیں اور فِيْ هٰذَا قرآن مجید کی طرف۔

۲۔ وَاَنَا اَوَّلُ الْمُسْلِمِيْنَ (الانعام ۱۶۳:۶)"اور مَیں سب سے پہلا فرمانبردار ہوں"۔

۳۔ وَوَصّٰى بِهَآ اِبْرٰهِيْمُ بَنِيْهِ وَيَعْقُوْبُ ؕ يٰبَنِىَّ اِنَّ اللّٰهَ اصْطَفٰى لَكُمُ الدِّيْنَ فَلَا تَمُوْتُنَّ اِلَّا وَاَنْتُمْ مُّسْلِمُوْنَ (البقرة ۱۳۲:۲)"اور ابراہیمؑ نے اپنے بیٹوں کو یہی وصیت کی اور یعقوبؑ نے (بھی)، اے میرے بیٹو! اللہ نے یہ دین تمہارے لئے چن لیا ہے پس نہ مرنا مگر اس حالت میں کہ تم فرمانبردار ہو"۔ اِنَّآ اَنْزَلْنَا التَّوْرٰىةَ فِيْهَا هُدًى وَّ نُوْرٌ ' يَحْكُمُ بِهَا النَّبِيُّوْنَ الَّذِيْنَ اَسْلَمُوْا لِلَّذِيْنَ هَادُوْا (المآئدة ۴۴:۵)"ہمیں نے توریت اتاری اس میں ہدایت اور روشنی ہے اس کے مطابق نبی جو فرمانبردار تھے یہودیوں کے لئے فیصلے کرتے تھے"۔

۴۔ اِسْلَام کے معنی سِلْم" میں داخل ہونا ہیں۔اور سِلْم" اور سَلْم" دونوں کے معنی صلح کے ہیں (مفردات راغب)۔یہ دونوں لفظ خود قرآن مجید میں صلح کے معنوں میں استعمال ہوئے ہیں (دیکھئے البقرۃ ۲۰۸:۲؛ الانفال ۶۱:۸)۔

بَلٰى مَنْ اَسْلَمَ وَجْهَهٗ لِلّٰهِ وَهُوَ مُحْسِنٌ ' فَلَهٗٓ اَجْرُهٗ عِنْدَ رَبِّهٖ وَلَا خَوْفٌ ' عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ (البقرة ۱۱۲:۲)

"ہاں جس نے اپنے آپ کو اللہ کا فرمانبردار بنایا (یہ اَسْلَمَ کے معنی ہیں) اور وہ احسان کرنے والا ہے۔تو اس کا اجر اس کے رب کے پاس ہے اور ان کو کوئی خوف نہیں اور نہ وہ غمگین ہوں گے"۔

پس اسلام اساسی طور پر ہی صلح کا مذہب ہے۔یعنی صلح اس کی اصلی روح اور اس کی بنیادی اینٹ ہے۔اور اس کے دو بنیادی اصول یعنی توحید باری تعالیٰ اور اتحاد یعنی نسل انسانی کی عالمگیر اخوت اس حقیقت کے قطعی ثبوت ہیں کہ جو نام اس کو دیا گیا ہے وہ عین حق و صداقت پر مبنی ہے اور وہ اس نام کا حقیقی معنوں میں مستحق ہے۔جیسا کہ ہم اوپر بیان کر آئے ہیں، اسلام ان تمام انبیاء و رسل کا مذہب ہے جو مختلف قوموں اور مختلف زمانوں میں آتے رہے۔لیکن اسلام کی تعریف صرف اسی قدر نہیں بلکہ اَسْلَمَ کا لفظ قوانین الٰہیہ کی اس کامل اطاعت پر خواہ وہ غیر ارادی ہی ہو دلالت کرتا ہے جو ہم ہر ذرہ کائنات میں مشاہدہ کرتے ہیں۔اور خالص شرعی مفہوم میں بھی اس وسیع لفظ کو استعمال کیا گیا ہے۔کیونکہ شریعت میں اسلام کے دو مفہوم ہیں۔ایک تو سادہ طور پر کلمہ طیبہ لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ مُحَمَّدٌ ' رَّسُوْلُ اللّٰهِ کا اقرار۔یعنی اس امر کا اقرار کہ اللہ تعالیٰ کے سوائے کوئی اور معبود نہیں اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم اللہ کے رسول ہیں۔اور دوسرا اطاعۃ لِمَرْضَاتِ اللّٰہِ یعنی اللہ تبارک و تعالیٰ کی رضاء اور اس کی منشاء کی کامل اتباع جو صرف روحانی تکمیل کے ذریعے ہی حاصل ہو سکتی ہے۔پس جو شخص اسلام قبول کر لیتا ہے وہ محض مبتدی ہے اگرچہ وہ بھی مسلم ہے مگر جو رضاء الٰہی کی پوری پوری اتباع کرتا اور جمیع احکام خداوندی پر عمل پیرا ہوتا اور خواہشات نفسانیہ حیوانیہ کو خدا کی مرضی کے ماتحت کر دیتا ہے، وہ مسلم کامل ہے۔

۱۔ شریعت میں اسلام کی دو قسمیں ہیں۔پہلی قسم تو محض زبان سے سیدھا سادا اقرار ہے، خواہ دل میں تبدیلی واقع ہوئی یا نہ ہوئی ہو۔اور دوسری قسم اس سے بالاتر ہے اور اس کا مقصد یہ ہے کہ انسان کے دل میں بھی ایمان یعنی اصل تبدیلی پیدا ہو جائے اور اس سے اعمال صالحہ صادر ہوں اور جو کچھ خدا کی طرف سے ان پر وارد ہو اس پر وہ بہر صورت راضی رہے (مفردات راغب)۔

مذاہب عالم میں اسلام کا مقام

اسلام سب بڑے بڑے مذاہب کے آخر میں آیا یعنی ان تمام عظیم الشان تحریکات کے بعد جنہوں نے دنیا میں انقلاب پیدا کیا اور تقدیر اُمم کو بدل ڈالا۔ لیکن یہ صرف آخری مذہب ہی نہیں بلکہ یہ ایک ہمہ گیر مذہب ہے جو تمام مذاہب سابقہ کا جامع ہے۔ اور اس کی ایک امتیازی خصوصیت یہ ہے کہ وہ اپنے تمام متبعین سے یہ حقیقت منواتا ہے کہ تمام بڑے بڑے مذاہب جو اس سے پہلے گزرے ہیں، وہ سب خدا کی طرف سے ہیں۔ یہ اسلام کا ایک اساسی اصول ہے کہ ایک مسلمان کے لئے ان تمام انبیاء پر بھی ایمان لانا ضروری ہے جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے پہلے مبعوث ہوئے۔ قرآن مجید میں آتا ہے:

وَالَّذِيْنَ يُؤْمِنُوْنَ بِمَآ اُنْزِلَ اِلَيْکَ وَمَآ اُنْزِلَ مِنْ قَبْلِکَ (البقرة ۲:۴)

"اور جو اس پر ایمان لاتے ہیں جو تیری طرف اتارا گیا اور جو تجھ سے پہلے اتارا گیا"۔

قُوْلُوْٓا اٰمَنَّا بِاللّٰهِ وَمَآ اُنْزِلَ اِلَيْنَا وَمَآ اُنْزِلَ اِلٰٓى اِبْرٰهٖمَ وَاِسْمٰعِيْلَ وَاِسْحٰقَ وَيَعْقُوْبَ وَالْاَسْبَاطِ وَمَآ اُوْتِيَ مُوْسٰى وَعِيْسٰى وَمَآ اُوْتِيَ النَّبِيُّوْنَ مِنْ رَّبِّهِمْ لَا نُفَرِّقُ بَيْنَ اَحَدٍ مِّنْهُمْ وَنَحْنُ لَهٗ مُسْلِمُوْنَ (البقرة ۲:۱۳۶)

"تم کہو کہ ہم اللہ پر ایمان لائے اور اس پر جو ہماری طرف اتارا گیا اور اس پر جو ابراہیمؑ اور اسمٰعیلؑ اور اسحاقؑ اور یعقوبؑ اور اس کی اولاد کی طرف اتارا گیا۔ اور اس پر جو موسیٰؑ اور عیسیٰؑ کو دیا گیا۔ اور اس پر جو نبیوں کو اپنے رب کی طرف سے دیا گیا۔ ہم ان میں سے کسی میں تفریق نہیں کرتے اور ہم اسی کے فرمانبردار ہیں"۔

پھر فرمایا:

اٰمَنَ الرَّسُوْلُ بِمَآ اُنْزِلَ اِلَيْهِ مِنْ رَّبِّهٖ وَالْمُؤْمِنُوْنَ كُلٌّ اٰمَنَ بِاللّٰهِ وَمَلٰٓئِكَتِهٖ وَكُتُبِهٖ وَرُسُلِهٖ لَا نُفَرِّقُ بَيْنَ اَحَدٍ مِّنْ رُّسُلِهٖ (البقرة ۲:۲۸۵)

"رسول اس پر ایمان لایا جو اس کے رب کی طرف سے اس کی طرف اتارا گیا اور مومن (بھی) سب اللہ پر اور اس کے فرشتوں اور اس کی کتابوں اور اس کے رسولوں پر ایمان لاتے ہیں۔ ہم اس کے رسولوں سے کچھ فرق نہیں کرتے۔"

پس ایک مسلمان صرف حضرت محمد رسول اللہؐ پر ہی ایمان نہیں لاتا بلکہ تمام دوسرے انبیاء پر بھی ایمان لاتا ہے۔ اور قرآن مجید کی واضح تعلیم کے مطابق تمام قوموں میں انبیاء مبعوث ہوتے رہے۔ چنانچہ فرمایا:

وَاِنْ مِّنْ اُمَّةٍ اِلَّا خَلَا فِيْهَا نَذِيْرٌ (فاطر ۳۵:۲۴)

"اور کوئی قوم نہیں مگر اس میں ڈرانے والا گزر چکا"۔

غرض مسلمان وہ ہے جو تمام رسولوں پر اور تمام کتابوں پر ایمان لائے۔ ایک یہودی صرف انبیاء بنی اسرائیل پر ایمان لاتا ہے۔ ایک عیسائی حضرت عیسیٰؑ پر اور کم درجے پر انبیاء بنی اسرائیل پر بھی۔ بدھ مت کا پیرو صرف بدھ پر، ایک زرتشتی، زرتشت پر اور ایک ہندو، ہندوستان کے رشیوں مُنیوں پر، ایک کنفیوشس محض کنفیوشس پر ایمان لاتا ہے، مگر ایک مسلمان ان تمام انبیاءؑ پر ایمان لاتا ہے جو خدا کی طرف سے مبعوث ہوئے اور ساتھ ہی دنیا کے سب سے بڑے ہادی اور آخری نبی حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لاتا ہے۔ لہٰذا اسلام ایک جامع اور ہمہ گیر مذہب ہے جس میں دنیا کے تمام بڑے بڑے مذاہب جمع ہیں۔ اور علیٰ ہٰذا القیاس اسلام کی مقدس کتاب قرآن مجید کو جملہ صحف سابقہ کی جامع قرار دیا گیا ہے۔ جیسا کہ قرآن مجید میں ہے:

فِيْهَا كُتُبٌ قَيِّمَةٌ (البینۃ ۹۸:۳) "اس میں قائم رہنے والی کتابیں ہیں"۔

اسلام کی ایک نمایاں خصوصیت جو اس کو مذاہب عالم میں ایک خاص امتیاز دیتی ہے یہ ہے کہ دنیا کا آخری اور جامع مذہب ہونے کے علاوہ یہ اللہ تعالیٰ کی منشاء کی پوری پوری عکاسی کرتا ہے:

اَلْيَوْمَ اَكْمَلْتُ لَكُمْ دِيْنَكُمْ وَاَتْمَمْتُ عَلَيْكُمْ نِعْمَتِيْ وَرَضِيْتُ لَكُمُ الْاِسْلَامَ دِيْنًا (المآئدۃ ۵:۳)

"آج میں نے تمہارا دین تمہارے لئے کامل کر دیا اور تم پر اپنی نعمت کو پورا کر دیا اور تمہارا دین اسلام ہونے پر مَیں راضی ہوا"۔

جس طرح قاعدہ ہے کہ ہر قسم کے شعور میں بتدریج پختگی پیدا ہوتی ہے اسی طرح مذہبی شعور بھی انسان میں نسلاً بعد نسل تدریجاً ترقی کرتا ہوا پایہ تکمیل کو پہنچا اور بالآخر آسمان سے صداقت عظمیٰ نازل ہو گئی اور خدائے بزرگ و برتر کی وحی اسلام کے ذریعہ اپنے انتہائی عروج اور کمال کو

پہنچ گئی۔ یہی وہ صداقت عظمیٰ تھی جس کی طرف حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے الفاظ اشارہ کر رہے ہیں:

"مجھے تم سے اور بھی باتیں کہنا ہیں مگر اب تم ان کی برداشت نہیں کر سکتے لیکن جب وہ یعنی روح حق آئے گا تو تم کو تمام سچائی کی راہ دکھائے گا"

(یوحنا۱۳-۱۲:۱۶)

حاصل کلام یہ کہ تمام مذاہب عالم میں اخوت کی بنیادیں استوار کر کے دنیا میں امن قائم کرنا اسلام کا اصل مقصد ہے۔ گویا سابقہ مذاہب میں جو صداقتیں پائی جاتی ہیں ان سب کو ایک جگہ جمع کر دے، ان کی غلطیوں کی اصلاح کرے، حق کو حق اور باطل کو باطل ثابت کر کے سچ کو نکھار کر رکھ دے اور ان صداقتوں کی تبلیغ کرے جو کسی قوم یا معاشرے کے ابتدائی مراحل اور ارتقاء میں خاص حالات کی وجہ سے اشاعت پذیر نہ ہو سکیں اور بالآخر یہ نسلِ آدم کی روز افزوں روحانی اور اخلاقی تقاضوں کو پورا کرے۔

مذہب کا جدید تصور

اسلام کے ظہور سے مذہب کا جدید مفہوم عالم وجود میں آیا۔ ایک تو یہ کہ مذہب کو dogma یا اذعانی اصول تصور نہ کیا جائے۔ یعنی مذہب ایسے عقیدے کا نام نہیں جو تحکمانہ رنگ میں انسان پر ٹھونس دیا جاتا ہے اور دلیل وحجت کے بغیر اندھا دھند اس کو ماننا لازمی قرار دیا جائے تاکہ انسان ابدی لعنت سے بچ جائے، بلکہ یہ ایک سائنس ہے جس کی بنیادیں بنی نوع انسان کے عالمگیر تجربوں اور مشاہدوں پر استوار کی گئی ہیں۔ یہ صحیح نہیں کہ کوئی خاص قوم ہی خدا کی منظور نظر اور اس کے الہام کے لئے مختص ہے اور دوسری اقوام اس کی نعمتوں سے محروم ہیں بلکہ اس کے برعکس اسلام نے الہام کو ارتقاء نسل انسانی کا ضروری ذریعہ قرار دیا ہے۔ اس لئے ایک ابتدائی حالت میں یہ نسل آدم کا ایک عالمگیر تجربہ ہے اور اعلیٰ حالت میں انبیاء کی وحی ہے۔ گویا یہ ایک عطیہ ربانی ہے جس سے تمام قومیں بہرہ ور کی گئیں۔ پھر عقائد کو اعمال اور اخلاق کی بنیاد کے طور پر پیش کر کے اس نظریے (بلکہ حقیقت) کو مزید تقویت دی کہ مذہب سائنٹیفک بنیاد پر قائم ہے۔ چنانچہ ایک بھی مذہبی اصول ایسا نہیں کہ جسے انسانی زندگی کی بلند سے بلند تر منازل ارتقاء پر فائز کرنے کے لئے اعمال کی اساس نہ بنایا گیا ہو۔

پھر اس باب میں دوسری بات جو قابل غور ہے یہ ہے کہ مذہب محض عالم اُخروی کی فلاح وبہبود کا ضامن نہیں اور اس کا دائرہ عمل محض عُقبیٰ تک ہی مخصوص ومحدود نہیں، بلکہ اس کا اصل تعلق انسان کی اسی دنیاوی زندگی سے ہے اور مذہب کے پیش کردہ تصورات کی رو سے انسان زمین پر نیک زندگی بسر کر کے اعلیٰ اور ارفع زندگی کا شعور حاصل کر سکتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ قرآن مجید بڑی شرح وبسط سے ان مضامین اور مسائل پر بحث کرتا ہے جو انسان کی دنیاوی زندگی پر اثر انداز ہوتے ہیں۔ قرآن مجید محض عبادات یعنی خداوند تعالیٰ کی پرستش کے طریقوں یا ان ذرائع کے متعلق ہی بحث نہیں کرتا جن سے انسان خدا تعالیٰ کا قرب حاصل کر سکتا ہے، بلکہ نسبتاً زیادہ تفصیل کے ساتھ ہمارے اردگرد کی دنیا کے مسائل پر بھی بحث کرتا ہے۔ مثلاً انسان کے باہمی تعلقات، اس کی عمرانی اور سیاسی زندگی، نکاح، طلاق، ورثہ، تقسیم دولت، سرمایہ اور محنت کے تعلقات، عدالت، فوجی تنظیم، جنگ وصلح، قومی اقتصادیات، قرضے اور معاہدات، بنی نوع انسان بلکہ بے زبان مخلوق کی خدمت کے قواعد وضوابط، غریبوں، یتیموں اور بیواؤں کی امداد کے قوانین اور دوسرے سینکڑوں مسائل پر روشنی ڈالتا ہے، جن کے صحیح علم اور عمل سے انسان راحت کی زندگی بسر کرنے کے قابل ہو جاتا ہے۔

قرآن مجید محض انفرادی بہبود کے لئے ہی نہیں بلکہ اجتماعی طور پر ایک معاشرے، ایک قوم بلکہ کل نسل انسانی کے ارتقاء کے لئے قوانین بیان کرتا ہے۔ قرآن مجید صرف افراد کے باہمی تعلقات پر ہی روشنی نہیں ڈالتا، بلکہ ان تمام قبائل واقوام کے تعلقات پر بھی کماحقہ روشنی ڈالتا ہے جن میں نسل انسانی بٹی ہوئی ہے۔ اور یہ تمام قواعد وضوابط اور قوانین اس وقت مؤثر ہوتے ہیں جب خدائے واحد پر ایمان لایا جائے۔ یہ سچ ہے کہ قرآن مجید انسان کو اُخروی زندگی کے لئے تیار کرتا ہے مگر اس کے لئے ضروری ہے کہ وہ اس دنیا میں ہی قرآنی اصولوں پر کاربند ہو کر زندگی گزارنے کی اہلیت پیدا کرے۔ (فہرست مضامین)

اِن مجاہدین کی قربانیوں کی لاج رکھیں ورنہ یوم محشر انہیں کیا منہ دکھائیں گے؟

اسماعیل پیک، جماعت ساؤتھ افریقہ کے ممبر، جن کے گھر پر ہر روز کئی ماہ تک پتھراؤ کیا جاتا رہا،

کہ وہ اپنا مقدمہ واپس لے لیں کہ احمدی مسلمان ہیں۔ حافظ شیر محمد صاحب کے ساتھ، جنہیں قتل کی دھمکیاں دی گئیں۔

(فہرست مضامین)